مقدار میں لعاب نکل رہا تھا لیکن وہ اسے بخوشی کھانا کھلاتے رہے۔ جب وہ گھر واپس آئے تو ان کی بیوی نے سخت شکایت کی کہ اُنھوں نے کھانا ایک ایسے شخص کو کھلایا جو یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ کس قسم کا کھانا ہے۔ حضرت ربیعہؒ نے جواب دیا کہ اللہ کو تو پوری خبر ہے اور مجھے اسی بات کی پرواہ ہے۔

جو لوگ عہد جدید کے انسان کو اسلام کی طرف بلانا چاہتے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ اُسے ایسی خیر سے آشنا کرائیں جو کہ ایک مادہ پرست کے لیے مکمل طور پر اجنبی اور نا قابل فہم ہے۔ اسلامی ثقافت کی عمیق زرخیزی کی موثر پیشکش کے ذریعے جو مسلمانوں کی زندگی میں تاریخی اعتبار سے ماضی قریب میں ایک امر واقع رہی ہے، اس (مبلغ) کو چاہیے کہ وہ عصر حاضر کے انسان کو اس روحانی مفلسی سے ڈرائے جس میں وہ مبتلا ہے اور اسے ایک بہتر زندگی کی رغبت دلائے جو صرف اس دنیا تک محدود نہیں ہے۔

عصرِ حاضر میں مستشرقین کے مقاصد وحکمتِ عملی

محمد اکرم ساجد*

دور حاضر میں استشراق اور مستشرقین کی اصطلاحات اجنبی نہیں رہیں۔ مستشرقین کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور کہا جارہا ہے، ان کے حق میں بھی اور مخالفت میں بھی۔ آئندہ سطور میں ان کی حکمت عملی اور مقاصد پر روشنی ڈالی جائے گی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اصطلاح پر تفصیلاً بات کی جائے تاکہ قارئین اچھی طرح ان کے عزائم سے واقف ہو پائیں۔

استشراق Orientalism اور مستشرق Orientalist کی اصطلاحیں بہت پرانی نہیں ہیں۔ انگریزی زبان میں یہ اصطلاحات اپنے مخصوص معانی میں اٹھارہویں صدی کے اواخر میں زیر استعمال آنے لگیں۔(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق استشراق سے مراد شرق شناسی اور مشرقی علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کے ہیں۔(۲) لہٰذا Oriental کا معنی ہے وہ فرد جس کا تعلق مشرق سے ہو یا وہ جس کا تعلق مشرقی ایشیا کے ممالک سے ہو یا اس کی تہذیب سے ہو یا مشرق کا رہنے والا ہو۔(۳) Webster new International Dictionary میں Orientalism کے معنی ہیں۔

وہ امتیازی اور نمایاں خصوصیت، رواج، عادت کے اظہار کا طریقہ جو مشرقی اقوام وملل کے ساتھ مخصوص ہو۔(۴)

ایڈورڈ ڈبلیو سعید لکھتے ہیں استشراق سے مراد یہ ہے کہ مغرب، مشرق سے کس طرح نباہ کرے۔(۵) اس کے بعد وہ لکھتے ہیں مستشرق سے مراد وہ شخص ہے جو مشرق کے بارے میں پڑھتا ہو، اس پر تحقیق کرتا ہو، خواہ وہ انسان اس بارے میں کسی خاص مضمون یا عمومی موضوع پر کام کر رہا ہو۔(۶) آگے چل کر وہ اسکی مزید توضیح کرتے ہیں۔ یہ ایک انداز فکر ہے اور اس فکر کی بنیاد علم موجودات اور نظریہ علم کے مطابق وہ امتیاز ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔(۷) ایڈورڈ سعید مزید لکھتے ہیں کہ: 'مشرق شناسی سے مراد ہے مشرق پر مغرب کس طرح حکمرانی کرے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مغرب کے نزدیک مشرق کا آدمی جاہل غیر منطقی، گرا پڑا، بچوں جیسا اور مختلف ہے جبکہ مغرب کا آدمی منطقی، نیک، بالغ نظر اور متوازن ہے۔'(۸) مستشرقین اہل علم کا وہ گروہ ہے جنہوں نے مشرقی علوم، مشرقی زبانوں، مشرقی تہذیبوں، مشرقی اقوام کے حالات اور ان قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ کو اپنی تخلیقات اور تحقیقات کا موضوع بنایا ہو۔(۹)

شرق شناسی کی فوری طور پر ذہن میں آنے والی اور قابل قبول علمی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جو مشرق کے بارے میں

---

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور، پاکستان۔

پڑھتا ہے۔یا اس پر تحقیق کرتا ہے۔ان میں ماہر بشریات، عمرانیات، مورخین اور لسانیات سب لوگ شامل ہوں گے۔(۱۰)

سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''مستشرقین ایسے لوگ ہیں جن کا تعلق مغرب سے ہے۔ان لوگوں نے اسلام کے مطالعے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔یہ لوگ مشرقی علوم وفنون میں دلچسپی رکھنے کے باعث مشرق اور مغرب دونوں علمی حلقوں میں معروف ہوئے۔اس گروہ نے مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے، اسلام کے ماضی کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کرنے، اسلام سے بیزاری اور اس کے مستقبل سے مایوسی، اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور اصلاح مذہب اور اصلاح قانون کے نام پر بڑی سرگرمی دکھائی۔''(۱۱)

یہ تحریک یک بیک وجود میں نہیں آ گئی بلکہ اس کے پیچھے ایک طویل تاریخ موجود ہے۔''صلیبی جنگوں میں شکست فاش اور سیاسی میدانوں میں ناکامی کے بعد سے ہی یورپ کا فکر وفن اب دوسرے طریقوں سے اسلام اور مسلمانوں سے اس شکست کا بدلہ لینے کی تدابیر کرتا رہا۔اس سوچ کی بناء پر انہوں نے مسلمانوں کی عالی قوت اور دینی صلاحیت کو کمزور کرنے اور اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے تمام تر اسلامی عقائد وتعلیمات کو علمی تحقیق کے عنوان سے بحث و نظر اور جرح وتنقید کا نشانہ بنانا شروع کیا۔اسی کو تحریک استشراق کا نام دیا گیا''۔(۱۲)

مستشرقین نے اپنا طریقہ کار مختلف انداز سے جاری وساری رکھا۔اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن کا وہ مطالعہ و تحقیق جس کا آغاز مغرب کے یہودی اور عیسائی علماء نے محض ایک میکانکی عمل کے طور پر کیا۔اس کے پس منظر میں اسلام سے محبت، اس کا کامیاب تتبع کرنے کی خواہش کارفرما نہ تھی اور نہ ہی ان لوگوں کا اسلام کی صداقت وحقانیت پر یقین تھا۔اس میکانکی تحقیق کا دائرہ کار یہ تھا کہ ماضی میں عربی، فارسی، سنسکرت، چینی، انڈونیشی اور ترکی زبانوں میں تاریخ، مذہب، فلسفہ، لغت یا سائنس وادب وغیرہ کے موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئیں تھیں ان کا حاشیہ یا ترجمہ یا اختصار یا اشاریہ تیار کیا جائے یا اس کی تشریح وتوضیح یا تنقید بہم پہنچائی جائے۔(۱۳)

مستشرقین نے استشراق کی تحریک کو صرف مشرقی زبانوں سے واقفیت اور اسلامی علوم وآداب کے مطالعے تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر یہ تحریک اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض وعناد ظاہر کرنے لگی۔شروع شروع میں تو تحریک استشراق محض اسلام کے خلاف مشنری جذبات کی آئینہ دار رہی، لیکن بعد میں اس نے اپنے مقاصد متعین کر لئے اور بظاہر علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا اور اب گویا دوسرے مرحلے پر استشراق نے باقاعدہ ایک تحریک ایک رویہ اور ایک انداز فکر کی شکل اختیار کر لی۔(۱۴)

اس رویہ اور اندازِ فکر کی روشنی میں مستشرقین نے مختلف موضوعات کو تحقیق کا موضوع بنایا اس نقطہ نظر کا بنیادی مقصد

یہ تھا کہ اسلامی تعلیمات، اسلامی تہذیب، اسلامی تاریخ اور اسلامی ورثے کو مسخ کر کے پیش کیا جائے۔ اسلام کی عالمگیریت، دائمیت اور ابدیت کی خصوصیات کو لوگوں کے ذہنوں سے مسخ کرنے کے لئے مسلمانوں میں علاقائی تہذیبوں کو اچھالا جائے۔ مقامی زبانوں اور مردہ لغات کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئیں اور کہا گیا کہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط میں تبدیل کر دیا جائے۔(۱۵)

ان لوگوں نے مسلمانوں کے ذہنوں میں شک کا بیج بونے کے لئے اپنی تمام تر کوششیں مربوط کر دیں اور اسلامی تہذیب وثقافت کی تعمیر وارتقاء میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی تا کہ اسلامی تہذیب کو خرافات کا مجموعہ ثابت کیا جا سکے۔(۱۶)

مشہور مستشرق پروفیسر فلپ کے ہٹی (Philip K. Hitti) لکھتے ہیں کہ جنگِ موتہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کش مکش کا نقطہ آغاز تھی۔ پروفیسر موصوف کا الزام یہ ہے کہ آنحضورﷺ نے یہ جنگ شروع کر کے کشمکش کا آغاز کیا۔(۱۷)

اسی نقطۂ نظر کا اظہار جے جے سانڈرس (J. J. Saunders) نے بھی کیا ہے۔ گبن (Gibbon) اور بہت سے دیگر مستشرقین کے خیال میں موتہ کی فوجی مہم کا مقصد یہ تھا کی فلسطین پر حملے کے لئے کوئی بہانہ تلاش یا جائے۔(۱۸) چارلس ملز (Charles Mills) کے خیال میں جنگ موتہ انتقام لینے کی ایک خواہش تھی تا کہ شام جیسے امیر ملک سے لوٹ کھسوٹ کی جا سکے۔(۱۹) بہل (Bhul) کے نزدیک جنگ موتہ کا مقصد عیسائیوں کو محمدﷺ کے زیر نگین لانا تھا۔(۲۰)

کارل بروکلمان (Carl Brocklemann) کے خیال میں یہ واقعہ اس وقت کے سیاسی حالات کا غلط طور پر اندازہ لگانے کا نتیجہ تھی۔ (۲۱) ولیم میور (William Muir) کہتے ہیں کہ غزوہ موتہ کا مقصد شام کی سرحد کے قریب جاسوسی کرنا تھا۔(۲۲) حالانکہ ان لوگوں کے اس نقطہ نظر میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ جنگ موتہ کا آغاز آنحضورﷺ کی طرف سے نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا باعث خود عیسائی بنے تھے۔ عیسائی سردار شرجیل بن عمرو نے حضورﷺ کے قاصد کو شہید کر دیا تھا۔ جبکہ وہ بصرہ کے گورنر کے پاس حضورﷺ کا یہ پیغام لے کر جا رہا تھا کہ وہ اسلام قبول کر لے۔

اس بات کو خود مستشرقین کے ایک گروہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ قتل دنیا کے تمام قوانین کی خلاف ورزی تھا۔ اس کے مقابلے میں حضورﷺ نے تین ہزار آدمیوں کو بھیجا۔ زیدؓ بن حارثہ کو اس مہم کا کمانڈر مقرر کیا۔ ان کا مقابلہ بازنطینی لشکروں سے ہوا جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور وہ خوفناک طور پر مسلح تھے۔ انہیں عربوں کی حمایت بھی حاصل تھی۔ خالدؓ بن ولید نے سخت مقابلہ کیا عیسائیوں کا وسیع علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔(۲۳) اس سے عیسائیوں کے دلوں میں نفرت اور دشمنی کے جذبات پیدا ہوئے۔ حالانکہ اس کا آغاز خود عیسائیوں نے کیا تھا۔

مسلمانوں کے خلاف عیسائی غم وغصہ کے اسباب میں سب سے بڑا سبب مذہبی تعصب اور مخالفانہ اندازِ فکر تھا جو عیسائی علاقوں پر مسلمانوں کے قبضے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ پروفیسر ظفر علی قریشی لکھتے ہیں:

''عیسائیوں نے اتنے زیادہ علاقوں کے ہاتھ سے نکل جانے کو کبھی بھی دل سے بھلایا نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کو کبھی معاف کیا۔ اس کے بعد ایسے محرکات سامنے آتے رہے جس سے مغرب والوں کا غیض وغضب بڑھتا رہا۔ سپین اور سسلی سے مسلمانوں کو مکمل طور پر نکالنے میں ناکامی، مغربی شہنشاہیت کے مرکزی علاقوں میں مسلمانوں کا مغرب کے خلاف مزاحمت پر ثابت قدمی سے ڈٹے رہنا، مغرب کی غلامی سے آزادی کے لئے مسلمانوں کی غیر متزلزل، پختہ، ثابت قدم، مسلسل اور کبھی ختم نہ ہونے والی جدوجہد، اہل مشرق سے بدلہ لینے میں اہل مغرب کی مایوسی سے بھری ناکامی اور اہل مغرب کی اجارہ داری کی ہتھکڑیوں کو اتار پھینکنے کی موجودہ جدوجہد، ان سب محرکات نے اہل مغرب کے مسلمانوں سے بدلہ لینے کے جذبات کو مزید برانگیختہ کر دیا۔ یہ تلخی اور دشمنی بڑھتی ہی چلی گئی۔ چنانچہ انہوں نے اسی غصے میں انتقام کی یہ راہ اختیار کی کہ اسلام اور بانی اسلام کے بارے میں حقائق کو اپنے مقصد کے لئے غلط رنگ دے دیا۔'' (۲۴)

اس سلسلہ میں ہینڈرک فان لون (Hendrik Van Loon) لکھتے ہیں:

''ان دو پیغمبروں کے پیروکار جو آپس میں (مذہبی اعتبار سے حقیقتاً) ایک ہیں، کی تاریخ بہت ہی تلخ ہے۔ ان کی طویل جنگ بارہ سو سال جاری رہی اور ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔'' (۲۵)

مستشرقین نے اپنے کام کا آغاز ماضی کی کتب کے ترجمہ سے شروع کیا۔ بین القوسین اپنا خبث باطن بھی ظاہر کرتے رہے۔ استعماریت دنو آبادیاتی دور میں پیغمبر اسلام پر حملوں کے لئے مستشرقین کے علاوہ بھی مصنفین نے اپنا حصہ ڈالا جیسے راج پال اور ہمنوا۔ مغرب اسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور صلیبی جنگوں کی ناکامی کو تحریری محاذ پر لے آیا۔ انہوں نے اس کا آغاز بڑے میکانکی انداز سے کیا ظاہراً یہ لبادہ اسلام سے محبت سے لبالب بھرا تھا لیکن منافقانہ روش کا حامل یہ انداز دوران ترجمہ حاشیہ اور توضیحی نوٹس کے نام سے ایک تحریک کی صورت جاری رہا۔ اس تحریک نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر اپنی مایوسی کا غصہ نکالا۔ قرآن اور صاحب قرآن پر رکیک اور تشکیک سے بھرپور حملے مختلف ادوار میں جاری رہے اور جاری ہیں جس کی ایک مثال سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کے صلیبی جنگوں کے جاری رہنے کے الفاظ میں مضمر بغض اور شیطنت سے ظاہر ہے۔

پرنگل کینڈی (Pringle Kenedy) اور فلپ کے ہٹی (Philip K. Hitti) جیسے لوگ اس نقطۂ نظر کے حامی ہیں کہ صلیبی جنگیں ابھی بھی جاری ہیں۔ اس ذہنی پس منظر میں تحریک استشراق کا آغاز ہوا۔

تحریکِ استشراق کا ارتقاء:

اسلامی علوم وفنون کے بارے میں ''تحقیق'' اور ''تدقیق'' کا کام مدتوں ہوتا رہا۔لیکن یہ نام نہاد ''محققین'' اپنے لیے کوئی مخصوص نام ظاہر نہ کرتے تھے۔صدیوں ان کی تحریروں میں استشراق کا لفظ یا اس کا کوئی متبادل نہیں ملتا اس لیئے کہ یہ مصنفین اپنے کام کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔(۲۶) اے۔جے۔آربری (A.J. Arberry) کے مطابق 630ء میں پہلی بار یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لئے مستشرق کا لفظ استعمال ہوا۔(۲۷)

میکسم روڈنسن کا کہنا ہے کہ استشراق کا لفظ انگریزی زبان میں پہلی بار 1799ء میں داخل ہوا اور فرانس کی کلاسیکی لغت میں استشراق کا اندراج 1838ء میں ہوا جبکہ مشرقی مطبوعات کا سلسلہ پیرس میں 1519ء میں شروع ہوا۔(۲۸)

بازنطینی مصنفین نے سب سے پہلے اسلام اور قرآن کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کیں اور افتراء وجھوٹ گھڑ کر مشہور کر دیئے۔اس قسم کے مصنفین میں پہلا قابل ذکر شخص پیٹر (Peter the Venerable) ہے۔اس نے قرآن اور کچھ عربی کتابوں کے تراجم لاطینی زبان میں کیئے۔(۲۹)

اس کے بعد پوپ اربن دوم (Pope Urban II) نے اسلام کے خلاف جارحیت کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ریمنڈلل (Ray Mond Lull 1235-1315) نے محتاط انداز سے منصوبے تیار کیے اور صلیبی جنگوں کے نئے سلسلے کا آغاز کیا اس طرح مقدس جنگوں کا آغاز کیا۔مقصد اس کام کا یہ تھا کہ بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں کو ذہنی طور پر تیار کیا جاسکے اور انہیں اسلام سے برگشتہ کر کے عیسائی بنایا جاسکے۔مغرب میں اس شخص کو مغربی علوم کا باوا آدم کہا گیا ہے۔اس نے ۱۳۱۱ء میں کونسل آف ویانا کو اس بات پر تیار کرلیا کہ روم، جرمن اور پیرس میں اورنٹیل اسٹڈیز سنٹر کھولے جائیں اور لوگوں کو عربی کی تعلیم خصوصی طور پر دی جائے۔

مستشرقین میں جین برڈ (Genebard) کا مؤقف سترھویں صدی میں عام ہوا۔اس مناظرہ باز کیتھولک کو آنحضور ﷺ سے سب سے بڑا عناد یہ تھا کہ آپ ﷺ پر قرآن مجید عربی زبان میں کیوں نازل ہوا۔اس کی خواہش تھی قرآن پاک کو عبرانی، یونانی یا لاطینی زبان میں نازل ہونا چاہیے تھا۔اس کے نزدیک خاکم بدھن محمد ﷺ ایک حیوان تھے۔لہذا وہ ایک وحشیانہ زبان ہی جانتے تھے۔جو ان کے وحشیانہ ماحول سے عین مطابقت رکھتی تھی۔(۳۰)

میکسم روڈنسن لکھتے ہیں اٹھارویں صدی میں بھی کم وبیش اسی رخِ سفر کے ساتھ تحریک استشراق مختلف منازل طے کرتی رہی۔اور اپنے مذہبی، مشنری، سیاسی اور استعماری عزائم کے باوجود اس میں کچھ نرمی بھی پیدا ہوئی۔کچھ مستشرقین نے اپنا رنگ اور آہنگ بدلا۔کچھ انصاف کیا اور ''معروضیت'' سے بڑھ کر آنحضور ﷺ کی تھوڑی تعریف بھی کی۔(۳۱)

اس عہد کی ایک اور شخصیت جس نے اسلام کے بارے میں متعصّبانہ انداز سے بہت کچھ لکھا نارمن ڈینیل (Norman Danial) ہے۔اس نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں اسلام کے خلاف زہریلا پروپگینڈا کیا۔ان میں قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کے بارے میں عیسائی نظریات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مغرب کیا کچھ لکھتا ہے حقائق کو اس قدر توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا کہ یہ تمام تر باتیں گھڑی ہوئی لگتی ہیں بلکہ مبالغہ آمیز انداز سے لکھا گیا ہے۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کے بارے میں بہت کذب وافتراء سے کام لیا گیا۔کہ یہ انقلاب اگرچہ لاثانی ہے لیکن اس کے پیچھے ذاتی اغراض وابستہ تھیں۔(۳۲)

اسلام کے بارے میں اس طرح سے غلط تصویر کشی کرنے میں بہت سے لوگوں نے حصہ لیا جان آف دمشق کو تو بازنطینی روایات کا بانی کہا گیا ہے۔اسلام کے خلاف اسی نے نفرت کے بیج بوئے۔(۳۳) اس کے بعد ایک عرصے تک لوگوں نے اس قسم کے افکار کی پیروی کی۔اس دور کے لوگوں کے افکار اور خیالات میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔کیونکہ ان سب کے ماخذ یکساں تھے۔ان لوگوں نے عموماً قیاس، گمان، افسانہ طرازی، کٹ حجتی اور مناظرہ بازی کا انداز اپنایا۔اور اختلافی، نزاعی اور جھوٹ پر مبنی فکر کو اپنی کتب کی بنیاد بنایا۔بازنطینی مؤلف نکلاس (Niccatas) اور Thophans ان لوگوں میں سے تھے جو اسلام کے خلاف تعصب سے بھرے ہوئے تھے۔(۳۴) میکسم روڈنسن کے خیال میں اس زمانہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ مستشرقین کی تحقیق کے نتائج پہلی بار عوام کے سامنے آئے۔(۳۵)

اب تک کی بحث کا خلاصہ یہ کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام کے ساتھ اپنے بغض کا آغاز بعثت نبوی ﷺ کے ساتھ ہی کر دیا تھا۔اسکی وجہ اسلام کی سادہ تعلیمات تھیں۔اسلام نے فطری اور عالمگیر نتائج کی حامل تعلیمات کی وجہ سے ہر کس وناکس کے دل بھی جیت لیئے اور بہت سے عیسائی علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا۔عیسائیوں نے صلیبی جنگوں میں ایک کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور محاذ جنگ سے ناکامی کا بدلہ علمی محاذ کھول کر تحریک استشراق کا آغاز کر دیا۔(۳۶)

تحریک استشراق کے مقاصد:

اسلام کے بارے میں لکھتے ہوئے غیر مسلم مصنفین نے مستشرقین کا نام اپنے لیئے خود تجویز کیا یا ان کے ''کارناموں'' کی وجہ سے انہیں یہ نام مسلمانوں نے دیا۔اس سوال کا کوئی یقینی اور حتمی جواب نہیں ہے۔(۳۷)

یہود مدینہ کا رویہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع ہی سے مخاصمانہ اور متعصبانہ رہا۔شیخی پرور اور اپنے تئیں مغرور ومتکبر یہود جانتے بوجھتے ہوئے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے۔اگرچہ بظاہر ان کا خیال یہ تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے کیوں نہیں ہیں۔

یہود مدینہ کی مخالفت محض خود ساختہ نسلی برتری، اپنے آپ کو انبیاء کی اولاد کہہ کر عمل سے عاری ہونا، کتب سماوی

میں من مانی تاویلیں کرنے اور برائیوں میں لت پت ہونے کی بناء پر تھی۔ یہود نے اسلام کا راستہ روکنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے بھی استعمال کیئے جس کا ذکر قرآن پاک نے اس طرح سے کیا ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لاَ تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ (۳۸)

''اور کفار نے کہا کہ اس قرآن کی باتیں نہ سنو اور اس میں گڑبڑ پیدا کرو شاید تم غالب آجاؤ۔''

قرآن حکیم کے اس ارشاد عالی کی روشنی میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مستشرقین کی بنیادی حکمت عملی ایک ہی ہی ہے کہ اسلامی تعلیمات میں بگاڑ پیدا کیا جائے اگر چہ ان کا انداز اور طریقہ کار بدلتے رہے۔

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآل وسلم کے معاصر یہود و نصاریٰ کے بعد پہلا شخص جس نے اسلام کے خلاف اس تحریک کا آغاز کیا وہ ساتویں صدی کا ایک پادری جان تھا۔ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس طرح سے کذب وافتراء کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، غیر حقیقی دکھائی دے۔(۳۹)

اس کے بعد مستشرقین کے رُخ، زاویے اور موضوعات بدلتے رہے لیکن ان کا نصب العین ایک ہی رہا کہ آپ کی ذات والاصفات پر ہر وہ اعتراض کریں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسوا دکھائی نہ دیں۔ یہ اعتراضات کبھی تو اس طرح کے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام، یہودیت اور نصرانیت سے اخذ کیا ہے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف القابات دیئے گئے اور حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف وہ واقعات درج کیئے جن کی گہرائی میں عام مسلمان عمومی طور پر نہ جاتے ہوں۔

فرانسیسی مستشرق کیرڈراکس (Carrede Raux) رقم طراز ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی برائی نہ تھی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہ کی گئی ہو۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں ادھوری معلومات کے سہارے مستشرقین اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے اور ایک لمبا عرصہ غلط سلط لکھتے رہے۔(۴۰)

اسی دوران آندرے ڈوائر (Andre du Ryre) نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا اور عجیب واہیات انداز میں لکھا۔ 1632ء میں مارٹن لوتھر (Martin Luther) نے Muhammad, the Imposter میں آپ کو عیسائی ریفارمسٹ ظاہر کیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاجوج ماجوج کہہ کر پکارا۔(۴۱)

مستشرقین کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

سیاسی طور پر متحرک مستشرقین:

اٹھارہویں صدی میں اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بارے میں باقاعدہ اور منظم انداز میں تحقیقات کا آغاز کیا گیا۔ استشراق کے سیاسی مقاصد کے پیش نظر یورپی طاقتوں خصوصاً ہالینڈ، فرانس اور انگلستان کی

حکومتوں نے مستشرقین کی خوب مدد اور حوصلہ افزائی کی۔

مستشرقین کے مقاصد اور حکمت عملی کے حوالے سے جیسے سید ابوالحسن علی ندوی مستشرقین کے ایک گروہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

معتدل مزاج مستشرقین:

مستشرقین کا ایک گروہ وہ ہے جس نے عالمی قوموں کی تہذیب وتمدن سے واقفیت اور ان ادیان و مذاہب اور زبان وثقافت سے دلچسپی کی بناء پر ان موضوعات کا مطالعہ کیا۔ اس گروہ نے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بلند ہمتی اور فراخدلی سے کام لیا اور اسلام کو سمجھنے میں دوسروں کے مقابلہ میں کم لغزشیں کی ہیں۔

ان کی تحقیقات حقائق سے قریب تر ہیں۔ یہ تحقیقات اس قابل ہیں کہ انہیں علمی سطح پر پرکھا جا سکے۔ اگرچہ انہیں مالی معاونت حاصل تھی لیکن ان لوگوں نے خلوص نیت سے کام کیا۔ انہیں اپنے ہم وطنوں میں مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ اس طرح علمی حلقوں میں یہ لوگ نادار الوجود ہیں۔ (۴۳)

متصب مستشرقین:

کچھ مستشرقین نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ طبی اور مرضیاتی نقطۂ نظر سے کیا۔ (۴۴) میکسم روڈنسن بھی ان کا ہمنوا ہے۔ اسپرنگر کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مرگی، ہذیان اور اعصابی اضطراب کا دورہ پڑتا تھا۔ بہل اور ٹورینڈرے نے اسی نقطۂ کو اپنایا۔ (۴۵)

ان جدید رجحانات میں اشتراکی نظریات کا اثر بھی دکھائی دیتا ہے۔ ایسے مستشرقین بھی سامنے آئے جن کا خیال تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام کامیابیاں دراصل سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کی کارفرمائیوں کا نتیجہ تھیں۔ جرمن مستشرق ہیوربرٹ کرائم (Hubert Crime) کا خیال ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذہبی راہنما کی بجائے ایک معاشی، معاشرتی اور سیاسی مصلح تھے۔ مارگولیتھ (Margoliouth) نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیاسی راہنما قرار دیا۔ (۴۶)

علمی ذوق کے حامل مستشرقین:

بعض علمائے مغرب نے علمی ذوق اور شغف کے تحت بھی استشراق کا مطالعہ کیا۔ اس سلسلہ میں مستشرقین نے شدید محنت کی اور بڑی صبر آزما مشقتیں بھی برداشت کیں۔ سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں ''اس کام کی دادانہ دینا ایک اخلاقی کوتاہی اور علمی ناانصافی ہے'' ان لوگوں کی مساعی سے بہت سے مشرقی علمی جواہرات پردۂ اخفا سے نکل کر منظر عام پر آئے۔ طبقات ابنِ سعد، تاریخِ طبری، تاریخ کامل، فتوح البلدان اور کتاب الہند پہلی مرتبہ یورپ سے شائع ہوئیں۔

منافقانہ روش کے حامل مستشرقین:

لیکن بعد کے ایڈیشنوں میں اور ترجمہ کرتے وقت تناقض بیان، مخفی کینہ، ذاتی رجحانات کے سائے میں اختراع کردہ دلائل، تصنع الفاظ اور زبان کا ہیر پھیر موجود ہے۔ یہ لوگ اسٹیج سجاتے ہیں کہ گویا اچھے اور نیک جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور تاریخ کا غیر جانبدارانہ جائزہ پیش کرنا چاہتے ہوں لیکن درحقیقت ان کے اور قرون وسطیٰ کے مسیحوں کے خیالات اور طریق کار میں کچھ فرق نہیں۔(۴۷)

کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسی رکھنے والے مستشرقین:

تاریخ استشراق کے جدید دور میں اہل مغرب کی جانب سے وحدت ادیان کا شوشہ بھی چھوڑا گیا۔ مسیحیت اور اسلام کی اقدار مشترک کا ذکر کر کے اس بات کی تبلیغ کی جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی مذہب اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں باقاعدہ کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ اس کام کی باقاعدہ سرپرستی کی جاتی ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ استشراق کا ایک مقصد اقتصادی بھی ہے۔ بہت سے فضلاء اسے ایک کامیاب پیشے کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔(۴۸)

جدید اور قدیم مستشرقین کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی حکمت عملی بڑے غور وفکر کے بعد مرتب کرتے ہیں، پھر ہر ہر قدم پر اس بات کا جائزہ بھی لیتے ہیں کہ اس پالیسی سے ان کے مطلوبہ نتائج پورے بھی ہو رہے ہیں یا نہیں۔(۴۹)

استشراق کی تحریک کے آغاز سے دو سو سال تک مستشرقین کا طریقۂ کار یہ تھا کہ مسلمانوں کے مذہب و پیغمبر پر تصنیفی حملہ کر کے مسلمانوں کو بدلا جائے لیکن دعوتی طریق کار کے مطابق یہ کام مفید نہ تھا۔ ان کے تابڑ توڑ حملوں کے بسا اوقات الٹ نتائج برآمد ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے طریق کار میں تبدیلی پیدا کر لی۔ انہوں نے طے کیا کہ اسلام کو بدلنے کی بجائے مسلمانوں کو بدلا جائے۔ اسلام کی جدید تعبیر کی جائے اور اس کے لئے اصلاحِ مذہب کی تحریک چلائی جائے۔ مسلمانوں سے اسلام کا تعلق اس طرح بیان کیا جائے کہ یہ محض مختصر عرصے کے لئے ہی رہا اور اب یہ تعلق قائم نہیں ہے۔ اب اسلام سے اپنے آپ کو جوڑنا ترقی سے دور لے جانا ہے۔ اب اسلام بدلے ہوئے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔(۵۰)

اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والا گروہ:

مریم جمیلہ اس سلسلہ میں لکھتی ہیں:

''مستشرقین نے جدید مذہب کے نام سے مسلمانوں کو دین اسلام سے متنفر کرنے کیلئے جس تحریک کا آغاز کیا تھا اس کے اثرات اسلامی معاشرے پر مرتب ہوئے۔ ان مستشرقین کا ہم نوا اور ان سے متاثر پڑھے لکھے لوگوں کا خاصا بڑا گروہ ہر مسلمان ملک میں پیدا ہوا۔ انہوں نے انہی کے خیالات کو اپنا فکر وعمل اور مشترکہ منشور قرار دے کر اسلام کا

مطالعہ کیا۔ اس طریقے سے وہی نتائج مرتب ہوئے جو مستشرقین کو مطلوب تھے۔ اس گروہ کے قلوب واذہان میں اسلام کی قدر ومنزلت کم ہوگئی۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کا رابطہ مذہب سے کٹ رہا ہے وہ اسلام کے بارے میں متشکک ہو گئے ہیں۔ وہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلام اس دور کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ خدا کے ابدی دین کو محض روایت پرستی، رجعت پسندی اور دقیانوسیت کا نام دیا جانے لگا۔'' (۵۱)

مستشرقین مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ اسلام کو بھی بدلیں اور ترقی دیں اور اس ترقی کے حصول کے لئے مغرب کی پیروی کریں ان کے تجربات سے مستفید ہوں کیونکہ اہل مغرب کے نظریات و رجحانات طویل انسانی تجربوں کا نتیجہ ہیں۔ مستشرقین مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ اسلام خرافات واوہام کا مجموعہ ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ ان خرافات سے چھٹکارا حاصل کر کے مغرب کے علمی اور سائنسی انداز کو اپنائیں۔ (۵۲)

مستشرقین مسلمانوں کو تجدید دین کا مشورہ دیتے ہیں۔ وہ عالم اسلام کی اصلاح وترقی کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ یہ اصلاح اور ترقی درحقیقت تجدد اور مغربیت سے پیدا ہوتی ہے۔ گذشتہ دور میں جتنے بھی متجددین پیدا ہوئے ان میں مستشرقین کے خیالات کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ترقی کا نام لے کر ان لوگوں نے خدا کے آخری اور ابدی دین کو روایت پرستی، رجعت پسندی، دقیانوسیت اور نہ جانے کیا کیا کچھ قرار دیا۔

دین کو انفرادی معاملہ قرار دینا:

ان لوگوں نے ترقی کے نام پر دین کے ایک نئے ایڈیشن کی ضرورت پر زور دیا۔ اس جدت کو جدید نوجوان نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے ہاں ایک ایسا اجتہاد رواج پا گیا جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے بالکل بے نیاز ہو۔ ان کے اس نئے ایڈیشن میں حدیث اور سنت عقلی دلائل کے سہارے غیر ضروری قرار پائی۔ حالانکہ دین کا جو نقشہ سنت حسنہ کو خارج کر کے معرض وجود میں آئے گا اس میں قرآن کو ذاتی اغراض کی خاطر من مانے معانی پہنائے جاسکیں گے۔ (۵۳)

ان قدیم وجدید مستشرقین کے مطالعے کے بعد قارئین پر ان انداز اور حربوں میں یہ لوگ بے شک تبدیلیاں کر لیں۔ قارئین کے انداز تحریر اور استدلال میں تمام تر رنگینی کے باوجود ان کے باطن میں چھپی یہ خواہش آشکار ہو کر رہتی کہ انداز، حربوں اور تنقید کے معیار اور پیمانے بے شک شیشے کے عکس کی طرح ہر لمحے تغیر پذیر ہوں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کے مقاصد اور ان پر الزامات لگانے کے انداز نہیں بدلے۔ ان کے ان الزامات کا حاصل مجموعہ نہیں بدلا۔ ان کے دل نہیں بدلے۔ مستشرقین کا مقصد عام طور پر اسلام میں کمزوریوں کو تلاش کرنا اور دینی یا سیاسی مقاصد کے تحت ان کو چمکانا اور نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ ان کی مثال صفائی کے انسپکٹر کی سی ہے جس کو گلزار اور جنت نظیر شہر میں بھی غیر صحت مند مقامات ہی نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو معقول وغیر معقول طریقہ پر ان کمزوریوں کی نشاندہی اور ان کو نہایت مہیب شکل میں پیش

کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ وہ خود خوربین سے دیکھتے ہیں اور قارئین کو دوربین سے دکھاتے ہیں۔ ان کا کام رائی کا پہاڑ بنانا ہے''۔(۵۴)

شمس الحق افغانی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''اب مستشرقین نے اسی نصب العین (تشکیک) کی تکمیل کے لیے حربی اور سیاسی میدانوں کو ناکافی سمجھ کر علمی میدان میں قدم رکھا اور استشراق کے اسلحہ سے مسلح ہو کر مسلمانوں کے یقین کو کمزور کرنے اور شک کا زہر پھیلانے کے لئے اسلامی تحقیق کے نام سے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے تصانیف تیار کرنی شروع کیں تا کہ وہ اپنے مقصد میں اس راستے سے کامیاب ہو جائیں۔''(۵۵)

مستشرقین محکوم کے مذہب اور تمدن پر تنقید کرتے ہیں۔ اس کے راہنماؤں اور بانی کو بدنام کرتے ہیں۔ ان کی کتاب پر تہمتیں لگاتے ہیں ان کے عقائد میں کیڑے نکالتے ہیں۔ تہذیبی ورثے کے بارے میں ثابت کرتے ہیں کہ یہ تو اس قوم کے لئے باعث عار ہے حالانکہ وہ تو اس قوم کی ترقی اور امتیاز کی علامت ہوتا ہے۔ اس قوم میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں اس طرح مستشرقین اس قوم کے افراد کا ذہن تیار کرتے ہیں تا کہ وہ اپنے عقائد وتہذیب سے متنفر ہو کر مغربی تہذیب کی بالادستی قبول کرلیں۔(۵۶)

محمد عمران لکھتے ہیں کہ

McGill یونیورسٹی کے ذمہ خصوصی طور پر یہ کام لگایا گیا کہ وہ ایسے Islamists پیدا کریں جو مسلمانوں کے عقائد وایمانیات کے بارے میں ''سازگاری'' Compromise پیدا کریں۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ صدیوں کی مخاصمت کے بعد اصولوں کی بنیاد پر اسلام کا مقابلہ نہیں کیا جا سکا کیونکہ اسلام ایک ایسی مقناطیسی قوت ہے جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس لیے اہل مغرب کو اسلام سے دور رکھنے کا سب سے بڑا طریقہ یہی ہے کہ زہریلا پروپیگنڈا کیا جائے۔ اس وجہ سے وہ یہ مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اسلام کے ساتھ تعلق کمزور کر کے انہیں مغرب کا انداز فکر ونظر دے دیا جائے۔(۵۷)

قدیم تہذیبی احیاء کی مذموم سعی:

اسلامی معاشرے پر مستشرقین نے کئی وار کیئے ہیں۔ ان میں سے ایک خطرناک یہ ہے کہ انہوں نے قدیم تہذیبوں اور زبانوں کے احیاء کی دعوت دی جو اپنی وقعت اور افادیت کھو کر ہزاروں برس قبل ماضی کا حصہ بن چکی تھیں اور ان کے آثار کہیں کھنڈرات میں مل سکتے تھے۔ ان تہذیبوں کے احیاء کا مقصد ہم معاشرے میں انتشار پیدا کرنے، اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے، اسلامی تہذیب اور عربی زبان کو نقصان پہچانے اور قدیم جاہلیت کو زندہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔(۵۸)

سید ابوالحسن علی ندوی مزید لکھتے ہیں:

''مستشرقین نے اسلامی ممالک میں اپنے نظریات کا حامی ایک اچھا خاصا بڑا طبقہ پیدا کرلیا ہے۔ان لوگوں نے جہاں دین کی اساسیات پر تیشہ چلایا وہاں انہوں نے مختلف اسلامی ممالک کے اندر قدیم تہذیبوں اور زبانوں کے احیاء کی دعوت دی۔مقصد یہ تھا کہ اسلامی تہذیب کے مقابلہ پر علاقائی تہذیبیں اجاگر کی جائیں۔''(۵۹)

قومیت کو ہوا دینے کی کوشش:

اسلامی معاشرے کو منتشر کرنے کیلئے مستشرقین نے ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ قرآن کی زبان عربی اب جدید زمانے کی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتی۔اس کی بجائے مقامی اور عوامی زبانوں کو رواج دینا چاہیے اور ان ہی زبانوں کو اخبارات اور کتابوں کی زبان بنانا چاہیے۔اس نقطۂ نظر کو قابل قبول بنانے کے لئے مستشرقین نے پورا زور قلم صرف کردیا اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے۔مصران کے مقاصد کی صحیح معنوں میں تعبیر ثابت ہوا۔(۶۱)

سیاسی سطح پر محاذ آرائی:

مسلم ممالک میں انتشار پیدا کرنے اور اتحاد ختم کرنے کیلئے ایک نیا انداز یہ اختیار کیا کہ مسلم ممالک میں سیاسی پالیسی کے نام پر تمام سفارتی مراکز میں کسی خاص سیکرٹری یا کلچرل اتاشی کا تقرر کیا گیا اور اس تقرر کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی کہ وہ عربی زبان کا ماہر ہوتا کہ اپنی علمی سند کی بناء پر وہ اس ملک کے اہلِ قلم، صاحبِ فکر اور سیاسی عناصر سے اپنا رابطہ قائم کرکے اپنی سفارتی پالیسی کے تحت ان میں شورش اور کش مکش کی تازہ روح اور نئی غذا فراہم کرتا رہے۔یہ کھیل بہت سے عربی ممالک میں کھیلا گیا۔ان لوگوں نے عربوں میں قومیت کے جذبات کو ابھارا اور عربی اور اسلامی اصطلاح میں فرق کرکے دونوں ملکوں کے دوستانہ تعلقات کو ٹھیس پہنچائی۔انہوں نے خیر سگالی کے نام پر عرب ممالک کی طاقت کو منتشر کیا۔(۶۲)

وحدتِ ادیان کا نظریہ:

یہ تحریک تعصب، ضد، ہٹ دھرمی، الزام بازی سے نکل کر کمرشل دور میں داخل ہوئی تو تنخواہ دار پادری خلافِ اسلام لٹریچر تیار کرتے رہے۔ان لوگوں نے قرآن وحدیث میں تناقص بیان اور تحریف کا الزام لگایا جب کچھ نہ بن پڑا تو وحدتِ ادیان کا شوشہ چھوڑا اسلام کو بدلنے کی بجائے مسلمانوں کو بدلنے کی ٹھانی اور نوجوان نسل کو مذہب بیزار بنادیا تاکہ وہ تمدنی ترقی کرسکیں جس میں مذہب کے علاوہ سب کچھ ہو۔بہت سے ملکوں میں کلچرل اتاشی مقرر کیے اور قومیت کا نعرہ لگا کر عربوں کے درمیان تفریق ڈال دی۔لیکن ان کا بنیادی مقصد اسلام سے بدگمانی پیدا کرنا، مسلمان علماء کو بدنام کرنا، قرآن پر اتہام بازی، اسلامی تہذیب کی تحقیر وتذلیل، اسلامی تعلیمات بارے شکوک وشبہات پیدا کرنا، کتاب وسنت بارے ذاتی مفروضے پیش کرنا، اور ان میں تحریف کرنا، مصادر سے اخذ واستفادہ کرتے وقت سینہ زوری کرنا تھا۔

قوم کے نام خطاب میں 11 ستمبر 2006ء کو امریکی صدر بش نے کہا۔ گیارہ ستمبر کے افسوس ناک واقعہ میں ہم نے دشمن کے بارے میں بہت کچھ سیکھا ہے۔ وہ ایک بنیاد پرست اسلامی ریاست بنانا چاہتے ہیں جہاں عورتیں ان کے گھروں میں قید ہوں۔ نماز میں شرکت نہ کرنے والوں کو سزا دی جائے اور دہشت گرد، امریکہ اور دوسرے مذہب کی قوموں پر حملہ کے لئے محفوظ جگہ پا سکیں، اس قوم کے خلاف جنگ تو فوجی مہم سے بھی زیادہ خطرناک ہونی چاہیے۔ یہ اکیسویں صدی کی فیصلہ کن نظریاتی جدوجہد ہے۔ اسے ہماری نسلوں تک جاری وساری رہنا ہے۔ یہ تہذیبوں کا ٹکراؤ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ (مغربی) تہذیب کی بقاء کی جدوجہد ہے۔ ہم تو آزاد قوموں کے لوگوں کیلئے زندگی عیاشی سے گزارنے کے مواقع پیدا کرنے کے لئے لڑنا چاہتے ہیں۔

عصر حاضر کے مستشرقین:

دور حاضر کے مستشرقین کی حکمت عملی کس طرح کی ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی نظر میں ان کی تحقیقات میں یہ خصوصیات نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں:

۱۔ ہر اس چیز سے بدگمانی اور غلط فہمی پیدا کرنا جس کا تعلق اسلام کے اساسی مقصد اور جوہری اغراض ومقاصد سے ہو۔

۲۔ مسلمانوں کے عظیم رجال، علمائے دین اور اکابر امت کے بارے میں بدگمانی اور بے اعتقادی پیدا کرنا۔

۳۔ مختلف ادوار میں اور خصوصاً قرن اول کے بارے میں اسلامی معاشرے کی ایسی تصویر پیش کرنا جس میں انتشار ہی انتشار نظر آتا ہو اور انانیت اس دور کی عظیم شخصیتوں اور رجال کا گلا گھونٹتی دکھائی دیتی ہو۔

۴۔ اسلامی تہذیب کی حقیقت سے بہت دور اور حقیقتِ واقعہ سے بے حد بعید تصویر کشی جس میں اس کی شان وشوکت کو حقیر، خوار اور اس کے آثار باقیہ اور کارہائے نمایاں کی توہین کی گئی ہو۔

۵۔ اسلامی معاشرے کے حقیقی مزاج اور اس کی فطرت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں اپنے ملک و ملت کے اخلاق وعادات کو سامنے رکھ کر فیصلہ صادر کرنا۔

۶۔ نصوص کو قیاس کے تابع بنانا، ان کی من مانی تعبیریں کرنا۔

۷۔ نصوص میں اکثر وبیشتر قصداً ارادے سے تحریف کرنا اور جہاں یہ گنجائش نہ ہو غلط بیانی بیان کرنا۔

۸۔ ماخذ سے حوالہ درج کرنے میں ہٹ دھرمی اور سینہ زوری سے کام لینا۔ (۶۳)

مستشرقین کے بارے میں زیادہ سنگین اور دور رس پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو معقول اور غیر معقول طریقے پر اپنے تئیں وضع کردہ اسلام کی کمزوریوں کی نشاندہی اور ان کو نہایت مہیب شکل میں پیش کرنے میں مصروف ہیں مستشرقین رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ اپنا کام وہ اس قدر چابک دستی، ہنرمندی اور صبر وسکون سے کرتے ہیں کہ اس کی مثال

ملنی مشکل ہے۔ وہ پہلے ایک مقصد تجویز کرتے ہیں اور ایک بات طے کر لیتے ہیں کہ اسے ثابت کرنا ہے پھر اس مقصد کے لئے ہر طرح کے صحیح غلط، مذہب و تاریخ، ادب، افسانہ، شاعری، مستند و غیر مستند ذخیرہ سے مواد فراہم کرتے ہیں اور جس چیز سے ان کی ذرہ برابر بھی مطلب براری ہوتی ہو خواہ صحت کے اعتبار سے کتنا ہی مجروح، مشکوک اور بے قیمت ہو اس کو بڑی آب و تاب سے پیش کرتے ہیں۔ اس متفرق مواد سے ایک پورا ڈھانچہ تیار کرتے ہیں جس کا اجتماعی وجود صرف ان کے ذہن میں ہوتا ہے۔ (۶۴)

وہ کسی شخص یا نظام کی ایک برائی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اس برائی کو ذہن میں بٹھانے کے لئے بڑی فیاضی سے اپنے ممدوح کی کئی خوبیاں بیان کرتے ہیں تاکہ پڑھنے والے کا ذہن ان کے انصاف، وسعت قلبی اور بے تعصبی سے مرعوب ہو کر اس ایک برائی کو جو تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے قبول کر لے۔ وہ کسی دعوت یا شخصیت کے ماحول، تاریخی پس منظر قدرتی و طبعی عوامل و محرکات کا نقشہ ایسی خوبصورتی اور عالمانہ انداز سے کرتے ہیں کہ خواہ وہ محض خیالی ہو ذہن اس کو قبول کرتا چلا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اس شخصیت و دعوت کو اس ماحول کا قدرتی ردعمل یا اس کا فطری نتیجہ سمجھنے لگتا ہے اور اس کی عظمت و تقدیس اور غیر انسانی سرچشمہ سے اس کے اتصال و تعلق کے منکر بن جاتے ہیں۔ (۶۵)

تحریک استشراق کے پس پردہ محرکات:

مستشرقین کو نہ تو اسلام سے محبت ہے اور نہ ہی وہ مسلمان علماء و فضلاء کے قدر دان، بلکہ ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شدید قسم کا تعصب اور نفرت موجود ہے۔ اس لئے جب بھی وہ اپنے خصوصی ہدف سے ہٹ کر اسلامی اعتقادات اور نظریات کی توجیح کرتے ہیں تو ان سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ کوئی صحیح رائے دیں گے کسی حکم شرعی کو مثبت قرار دی گے اس وجہ سے ان کی تحقیقات کا بہت بڑا حصہ اسلام کے خلاف اعتراضات سے معمور ہے۔ (۶۶)

مریم جمیلہ کی تفصیلی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ مغربی مفکر اور سچے مسلمان کے نقطہ نظر میں سب سے نمایاں فرق یہ ہے کہ اول الذکر اسلام کو محض اس مخصوص ماحول کا تشکیل کردہ تاریخی مظہر قرار دیتے ہیں جس میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سکونت پذیر تھے اس کے برعکس مؤخر الذکر کا ایمان اور اعتقاد یہ ہے کہ ان تاریخ ساز سالوں میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا اس کی نوعیت کائناتی، عالمگیر اور الہامی صداقت کی ہے اور وہ زمان و مکان سے ماوراء قیامت تک تمام قوموں اور ملکوں کے لئے یکساں طور پر واجب العمل ضابطہ حیات ہے۔

تاہم مستشرقین اسلام کو دوسرے مذاہب کی طرح محض ایک مذہب اور تاریخ اور تاریخ کی متعدد دوسری تہذیبوں کی طرح ایک تہذیب قرار دیتے ہیں۔ جو صرف اپنے دنیوی عروج کے دور میں اہم اور دقیع تھی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اب مغربی تہذیب و ثقافت نے اس کی جگہ لے لی ہے اور اسلام قصۂ پارینہ بن چکا ہے اسے پھر سے رواج نہیں دیا جاسکتا۔ (۶۷)

طے شدہ منصوبہ کے تحت مستشرقین جو تحقیق کرتے ہیں۔اس کی مزید وضاحت ڈاکٹر رفیع الدین یوں کرتے ہیں کہ ان کی تحقیق کے لئے نہ تو کسی گہری اسلامی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی اسلام سے محبت۔اس طرح کی تحقیق سے حاصل شدہ نتائج سے پڑھنے والے کے دل میں نہ تو اسلام سے محبت پیدا ہوتی ہے اور نہ پڑھنے والا اس کو صحیح طور پر سمجھ پاتا ہے۔یوں سمجھ لیجئے کہ اصلی اسلامی تحقیق سے شغف والا عالم دین ایک ایسا ماہر تعمیرات ہے جو ایک خوبصورت نقشہ تیار کر کے اسے تعمیر کی تمام منزلوں سے گذارتا ہے اور میکانکی اسلامی تحقیقی پر کام کرنے والا پڑھا لکھا آدمی وہ جفاکش مزدور ہے جو تعمیر میں کام آنے والی اینٹوں کو اٹھا کر اس ماہر تعمیرات کے پاس لے جاتا ہے۔(۶۸)

مریم جمیلہ اس سلسلہ میں لکھتی ہیں۔دنیائے مغرب کے لئے اسلامی کا معروضی مطالعہ ناممکن ہو چکا ہے۔اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں پر سیاہ عینک چڑھا لے تو جب تک وہ اسے اتار نہیں دیتا اس کی نظر مسخ شدہ ہی رہے گی۔علیٰ ہذا القیاس جب تک مغربی تہذیب کے پورے پورے کردار کی قلب ماہیت نہیں ہوتی چند اکا دکا افراد کی امکانی مستثنیات کے ساتھ ہم مسلمان ان سے کسی اور طرز عمل کی توقع نہیں رکھ سکتے۔(۶۹)

اہل مغرب اور مسلمانوں کے ذہنی تفاوت اور انداز فکر کے اختلاف پر خود مستشرقین میں یہ رائے پائی جاتی ہے کہ مغرب اسلام کو سمجھنے کی جو سنجیدہ اور سرتوڑ کوشش کر رہا ہے دنیائے اسلام اس کا ادراک نہیں رکھتی۔اس قسم کا فہم وادراک کس قدر مشکل ہے۔اس کا اسے فی الواقع ادنیٰ سا بھی احساس نہیں ہے۔کیونکہ دنیا کی ان عظیم تہذیبوں کے درمیان تعلقات نازک بھی ہیں اور عمیق بھی۔نہ تو مغربی تہذیب کی وسیع پیمانے پر کوشش ہی کافی اور مؤثر ہو سکی ہے اور نہ اسلامی تہذیب ہی جان سکی ہے کہ یہ تہذیبی خلیج کس قدر وسیع اور بے پایاں ہے۔گویا یہودیوں اور عیسائیوں کا مسلمانوں کے ساتھ بنیادی اور روحانی اقدار کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ان میں تصادم کی صورت موجود رہی ہے۔ان میں مصالحت ناممکن ہے۔(۷۰)

مستشرقین حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔مستشرقین جب مخصوص انداز اور مخصوص ذہنی پس منظر میں اسلام کے بارے میں لکھتے ہیں تو سیدھی سادھی بات اور ایک طے شدہ تاریخی واقعہ کو بھی توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں۔(۷۱) مثال کے طور پر جارج سیل لکھتے ہیں:

نازل ہونے والی وحی کو پھر سے لوگوں کے پاس مشتہر کیا جاتا کئی لوگ اس کی نقلیں پاس رکھ لیتے مگر اکثر حفظ ہی کر لیتے۔جب یہ تحریریں واپس آتیں تو مسلمان ان کو بلا ترتیب ایک صندوق میں جمع رکھتے چلے جاتے۔(۷۲) اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس قدر بے تکی اور حقیقت سے دور کی بات کرتے ہیں۔

مستشرقین کے کام کے بارے میں علامہ اقبال بھی گاہے بگاہے اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ان کی آراء کا جائزہ لینے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اہل مغرب خصوصاً مستشرقین کے بارے میں ان کی رائے اچھی نہ تھی۔(۷۳)

حافظ فضل الرحمٰن انصاری اسلامیات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ جانا چاہتے تھے انہوں نے علامہ اقبال سے مشورہ لیا تو انہوں نے فرمایا۔

جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے۔ فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں۔ جن کو عالمانہ تحقیق اور حقائق حق کے ظاہر طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لئے یورپ جانا بے سود ہے۔ (۷۴)

علامہ اقبال گولڈز یہر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ ایک جرمن یہودی ہے اور انگریزی میں نہیں لکھتا۔ اس کی مشہور ترین کتب جرمن زبان میں ہیں اور ان میں مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ میں یورپین مستشرقین کا قائل نہیں۔ کیونکہ ان کی تصانیف سیاسی پروپیگنڈہ یا تبلیغی مقاصد کے لئے تخلیق ہوتی ہے۔'' (۷۵)

علامہ اقبال مستشرقین کی کتب کے بارے میں لکھتے ہیں۔ یورپین کتابوں میں سے اکثر بلا شبہ خاص اغراض و مقاصد کو مد نظر رکھ کر تصنیف کی گئی ہیں مثلاً تبلیغی، سیاسی، تجارتی وغیرہ۔ آرنلڈ علامہ اقبال کے بڑے محسن استاد تھے۔ اقبال ان کا احترام بھی کرتے تھے ان کی وفات پر اقبال روئے بھی لیکن اسلام کے بارے میں ان کے خیالات کے بارے میں فرمایا۔ اسلام: اسلام سے آرنلڈ کا کیا تعلق!

آرنلڈ کی کتاب Preaching of Islam اور اس قسم کی کتابوں پر مت جاؤ۔ آرنلڈ کی وفاداری صرف خاک انگلستان سے تھی وہی ان کا دین تھا وہی ان کی دنیا انہوں نے جو کچھ کیا انگلستان کے لئے کیا۔ جب میں انگلستان میں تھا تو انہوں نے مجھے براؤن کی کتاب ''تاریخ ادبیات ایران'' پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی لیکن میں نے انکار کر دیا کیونکہ مجھے اس قسم کی تصانیف میں انگلستان کا مفاد کام کرتا نظر آیا۔ دراصل یہ بھی کوشش تھی ایرانی قومیت کو ہوا دینے کی۔ اس س مقصد یہ تھا کہ ملتِ اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے۔

لہٰذا آرنلڈ کو عیسائیت سے غرض تھی نہ کہ اسلام سے۔ پھر مستشرق کا علم و فضل وہی راستہ اختیار کر لیتا ہے جو مغرب کی ہوس استعمار کے مطابق ہو۔ ان حضرات کو بھی شہنشاہیت پسندوں اور سیاست کاروں کا دست و بازو تصور کرنا چاہیے۔ (۷۶)

ڈاکٹر حسین ہراوی مصری عالم لکھتے ہیں:

''مجھے یورپ کے قیام کے زمانے میں یورپ کے لوگوں سے بات چیت کر کے معلوم ہوا کہ ابتدا ہی سے ان کی

پرورش ایسے ماحول میں ہوتی ہے جہاں انہیں شروع دن ہی سے اسلام سے نفرت اور مسلمانوں کی تحقیر سکھائی جاتی ہے تاکہ وہ مسلمانوں کی طرف مائل ہوں نہ ان سے مل سکیں اور وہ سانچے ہی مشرق کے مفاد کے خلاف ہیں جن میں مستشرق ڈھالے جاتے ہیں۔(۷۷) اہل مغرب باقاعدہ طور پر اپنے طلباء کو مشرقی زبانیں سکھا کر مشرقی ممالک میں بھیجتے ہیں جو اسلام کے خلاف منافرت اور تشکیک پھیلانے کے لئے مستشرق مشین کے کل پرزے بن جاتے ہیں۔''(۷۸)

ان کی درس گاہیں علمی، سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے امریکہ کا ایک مصنوعی سیارہ بن چکی ہیں۔نو آبادیاتی توارث کی حامل یہ یونیورسٹیاں تعلیم کو آدھا تیتر آدھا بٹیر رکھ کر چلا رہی ہیں۔ یہاں کے ناقص ماحول اور کم تنخواہ پانے والے اساتذہ جن کی تقرریاں سیاسی طور پر ہوتی ہیں کے طلباء کے پاس تحقیق کے لئے کوئی معیاری لائبریری نہیں۔ بہت کم ذہین طلباء اس نظام میں کامیاب ہوتے ہیں۔ایڈورڈ سعید کے خیالات میکسیم روڈنسن اور اسی نوع کے دیگر مستشرقین کے بارے میں اس طرح سے ہیں۔

میکسیم روڈسن اور میکس برق نے جن جگہوں پر تعلیم پائی ہے ان کا ماحول انہیں بڑی سخت تربیت فراہم کرتا تھا۔ ساتھ ہی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو چیز ان کی تحقیقات میں جان پیدا کرتی ہے ان کو زوردار بناتی ہے وہ ان کے طریق کار میں شعور اور عقلیت کا استعمال ہے۔بذات خود استشراق کی تحریک تنگ نظر اور بند بندسی رہی ہے۔لہذا استشراق پر لکھنے کے لئے بھی بس لگے بندھے اصول ہیں، برق اور روڈنسن نے اپنے کام میں اپنا اپنا انداز اپنایا ہے۔ یہ حضرات اپنی تحقیق میں اپنے مواد بارے بڑی حساسیت کی حامل تحقیق کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنے کام کا مستقل اور مسلسل جائزہ لیتے رہتے ہیں۔(۷۹) اس میں وہ متواترا اپنے مواد کا دھیان رکھتے ہیں نہ ہی اپنی نظریاتی سوچ کے مثبت پہلوؤں پر۔ برق، روڈنسن، عبدالمالک، اور راجر اوون اس بات سے آگاہ ہیں کہ انسان کا مطالعہ خواہ یہ مشرقی ہو یا نہ ہو وسیع ماحول میں ہی بہتر نتائج پیدا کرتا ہے۔ یہ وسیع میدان تمام انسانی علوم مہیا کرتے ہیں تو عالم وہ ہوا جو تنقیدی نگاہ سے مطالعہ کرے۔ برق اس معاملے میں تشکیلاتی علم الانسان میں حالیہ دریافتوں پر بھی لکھتے ہیں اور راڈنسن سماجی، سیاسی نظریہ پر۔اوون معاشی نظریات میں نئے خیالات اور نئی باتوں پر بھی توجہ دیتا ہے۔ یہ نام نہاد علمی زیست کاریاں عصری علوم میں ان مستشرقین نے متعارف کروائی ہیں۔(۸۰)

پروفیسر ظفر علی قریشی لکھتے ہیں:

''اہل مغرب کے اسلام کے بارے تحقیقات کے پس منظر میں مادہ پرستانہ ذہنیت بھی کارفرما ہے اس ذہنیت نے ان کے انداز فکر اور فکری زاویوں پر گہرے اثرات مرتب کیئے ہیں۔ اس ذہنی پس منظر نے ان کے قلب ونظر پر جو

اثرات مرتب کیے ہیں ان کی موجودگی میں مغرب کے خیر، شر، اچھائی اور برائی، مفید اور غیر مفید کے پیمانے ہی بدل گئے۔ اب ان کے نزدیک اچھا، خوب، مفید، نافع وہ چیز یا اصول نہیں رہا جس میں کسی اخلاق پہلو پر کوئی ہدایت دی گئی ہو یا روحانی اصلاح کا کوئی اصول بیان کیا گیا ہو بلکہ ان کے نزدیک نافع وہ چیز ہے جو بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دیتی ہو۔ انہوں نے تغیر وارتقاء کا اطلاق محض سائنس وٹیکنالوجی پر ہی نہیں کیا بلکہ اس کا اطلاق انہوں نے مذہب، اخلاق اور معاشرتی ضوابط پر بھی کیا ہے۔''(۸۱)

مریم جمیلہ کے الفاظ میں مغرب کا معیار یہ ہوگیا ہے کہ مسلسل تبدیلی ہونی چاہیے بلکہ صرف یہی کافی نہیں بلکہ اس کا اعلیٰ مقصد اسلامی تہذیب کو تبدیل کرنا ہے۔(۸۲) یہ رویہ اور فہم ترقی کرتا کرتا اپنے ہی معیار پر اخلاقی ضابطے بھی بناتا رہا۔ غلط اور صحیح کا مفہوم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہا۔ غلط اور درست، سچا اور جھوٹا، خوبصورت اور بدصورت کا اپنا کوئی مخصوص مفہوم نہیں ہوتا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کوئی مخصوص تبدیلی درست یا نقصان دہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک درست وہی چیز ہوگی جو اسلام کے لئے نقصان دہ ہوگی نئی ایجاد واختراع اپنے آپ بذات خود بلند ترین اچھائی ہوتی ہے۔(۸۳)

مریم جمیلہ نے مستشرقین کے انداز فکر کو سمجھانے کے لئے ایک شخص Freeland Abbot کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ شخص قدیم زمانے کے آخرت کے عقیدے اور آخرت کی بھلائی پر زور دینے کے نظریے کی تضحیک اڑاتا ہے گویا مستشرقین قدیم کو محض اس لیے فضول اور بے معنی سمجھتے ہیں کہ وہ قدیم ہے اور اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے تقاضے بھی بدل گئے ہیں۔ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ مشہور مسلمان سائنس دان ابوزکریا رازی نے بہت سی خدمات سرانجام دیں لیکن بہت سے دوسرے مسلمانوں کی طرح اس نے بھی اپنے زمانے کو متاثر نہیں کیا نیز یہ کہ وہ روایت پسند تھا اس کی بہت سی دریافتیں غیر ضروری اور غیر مفید تھیں۔(۸۴)

مریم جمیلہ مزید لکھتی ہیں۔ اہل مغرب احساس برتری کا شکار ہے لہذا وہ کسی اور تہذیب اور مذہب کے بارے میں سوچنے کے لئے تیار ہی نہیں کہ وہ مذہب اور تہذیب بھی ان کے ہم پلہ ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر لارڈ میکالے نے ہندوستان میں تعلیم کا نظام مسلط کرتے ہوئے اس بات پر اصرار کیا کہ ''علم کا سارا مرکز صرف مغرب کے پاس ہے''۔ ظاہر ہے جب سارا زور قلم ہی اس بات پر صرف کر دیا جائے گا کہ دوسری قوم کے علوم وفنون کی تنقیص کی جائے گی اور اپنی قوم کی صفات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جائے گا تو فکری تکبر حقائق کے دیکھنے اور سمجھنے سے عاری کر دے گا۔ ان کو دوسری قوم کی صفات معائب نظر آئیں گی اور اپنے معائب آنکھوں سے اوجھل ہوں گے اس طرح مغرب والے حقائق تسلیم کرنے والی صلاحیت سے ہی عاری ہو گئے۔(۸۵)

نیز مسلمانوں کا محکوم بن جانا بھی ایک وجہ یہ تھی کہ محکوم حاکموں کے اطوار وانداز کو اختیار کرنے کو ایک بڑا کارنامہ

خیال کرتے ہیں وہ حکمرانوں کے نظریات سے مرعوب ہوگئے۔ غیر اسلامی حاکموں نے حالات سازگار دیکھ کر بلکہ یہ اندازہ لگا کر کہ یہ لوگ تو ہماری توقعات سے زیادہ وفادار اور غلامی قبول کرنے کیلئے ''بے چین'' ہیں تو مستشرقین نے اپنا سارا زورِ قلم یعنی وسائل مسلمانوں کو فکری طور پر بانجھ بنانے اور اپنا جال وسیع کرنے پر لگا دیا۔ اب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا مناسب موقع ہے کہ اسلامی تہذیب کی بربادی ہو اور عیسائی تہذیب کے پھیلاؤ میں کوئی کمی اور کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔(۸۶)

مشہور مغربی محقق ٹائن بی Toynbee اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

اب کے بار اسلام مغرب کی دشمنی کو زیادہ سہہ رہا ہے اور یہ حملہ صلیبی جنگوں کے وقت سے زیادہ سخت اور کڑا ہے۔ اس لیے کہ جدید مغربی دنیا اس بار نہ صرف اپنے ہتھیاروں میں برتر ہے بلکہ معاشی میدانوں میں بھی کہیں آگے ہے۔ اور اس معاشی قوت پر ساری اسلحہ سازی کا انحصار ہے۔ اس سے اکلوتی مغربی تہذیب ابھری ہے جو دنیا کے نقشے پر تنہا ہی اپنا وجود برقرار رکھنا چاہتی ہے۔(۸۷)

اس تمام تر بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ مستشرقین کی اس ساری کاوش کے پیچھے ان کے مخصوص اور مزموم عزائم چھپے ہوئے ہیں کہ وہ اسلامی تہذیب کے تناقص کو تلاش کریں اور اگر نقائص نہ ملیں تو اپنے مذموم مقاصد اور خبث باطن کو حیلوں بہانوں سے لفظاً و معناً اس میں سمو دیں اپنی تہذیبی برتری کے حق میں دلائل دیں اور اس کو ثابت کرنے کے لئے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کریں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ نثار احمد، ڈاکٹر، نقوش، رسول ﷺ، مضمون مستشرقین کے مقاصد، طریق کار اور ان کا سدِ باب، لاہور دسمبر ۱۹۸۶، صفحہ ۴۹۳

۲۔ محمد اکرم، چوہدری، تکملہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، مبحث استشراق، جلد اول، ۲۰۰۱، صفحہ ۵۰۱

3- Oxford Reference Dictionary, Oxford University Press, London 1980, P. 200.

4- Webster, English Dictionary, The New Webster Encyclopedia Dictionary of the English Language Vol. IX London 1990, P. 1064.

5- http:/en.wikipedia.org.wikiorientalism

6- Webster Encylopedia P. 1065

7- Edward, W. Saeed, Orientalism, Vintage Books, New York, 1977 P. 1-2

8- Ibid., P. 4-6

۹۔ خویشگی، محمد عبداللہ، فرہنگ عامرہ، فیروز سنز، لاہور ۱۹۸۲، ص ۹

10- Edward, W. Saeed, P. 2

۱۱۔ ندوی ابوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش، مجلس نشریات، کراچی، ۱۹۸۱، صفحہ ۱۱۹

۱۲۔ حسن السباعی، مصطفیٰ، ڈاکٹر، مشمولہ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، جلد ۲، شمارہ ۱۳، ۱۹۸۴، صفحہ ۷

۱۳۔ رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق مفہوم، مدعا اور طریق کار، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۶۰ صفحہ ۸

۱۴۔ ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۱۳ ۔ ۱۵۔ ایضاً صفحہ ۳۴

۱۶۔ ایضاً صفحہ ۵۴

17. Hitti, K. Philips, Islam and the West, Smith, London, 1960, p. 147

18- Gibbon, Decline and Fall of Muslim Empire, Narqate London, 1980, p. 216

19- Mills, Charles, History of the Crusades V.I, Narqat, London. 1914, pp. 256-62

20- Buhl, article Quran, Encyclopedia of Islam, Lahore, 1985, p. 1048

21- Carl Brockle, Mann, History of the Muslims, p. 189.

22- Muir, William, Life of Mohamet, Smith, London, 1960, p. 94-96.

۲۳۔ طبری، محمد بن جریر، جامع القرآن فی تفسیر القرآن جلد 3 ادارہ معارف اسلامی کراچی ۱۹۲۰ صفحہ ۴۱ تا ۴۳

24- Qureshi, Zafar Ali, Prophet of Islam and his western critics, Idara, Ma-rif Islamia, Mansoora, Lahore. 1992, pp. 1-2.

25- Loon, The Tolerance. The Sun Dial Press, New York, 1934 p. 114

۲۶۔ ڈاکٹر نثار احمد، ص ۱۴

27. Maxime Rodinson 'The Lagacy of Islam, Penguine Press, Vigo Street London, W1 1968 p. 34

28- Ibid., p. 35

29-. Philip K. Hitti, p. 139

۳۰۔ ڈاکٹر نثار احمد ص ۵۰۵

31- Maxime Rodinson, p. 37-38.

32- Ibid., p. 39

33- Parrindor, G. The World's Living Religions, Penguine Press London, 1962, p. 186

۳۴۔ ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری صفحہ ۵۰۱

35- Maxime Rodinson. p. 40

۳۶۔ شبلی، محمد صدیق خان، ڈاکٹر، سیرت طیبہ، ص ۴۶۷

۳۷۔ ڈاکٹر محمد اکرم، چوہدری، ص ۵۰۴

۳۸۔ حٰمٓ السجدہ ۲۶

۳۹۔ ڈاکٹر نثار احمد، ص ۵۰۴

۴۰۔ ایضا، ص ۵۰۴

۴۱۔ ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری، ص ۵۰۱

۴۲۔ ڈاکٹر رفیع الدین، ص ۳۷

۴۳۔ ابوالحسن علی ندوی، ص ۷۹

۴۴۔ ایضاً، ص ۱۲۷

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۲۸

۴۶۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، جلد اول، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، ۱۹۹۱ ص ۹۱

۴۷۔ ابوالحسن علی ندوی، ص ۲۵۷

48 Jamila Maryam, Islam and Orientalism, Maktaba Islamia Lahore 1971, p. 103

۴۹۔ ابوالحسن علی ندوی، ص ۲۴۵

۵۰۔ ایضاً، ص ۲۴۸

۵۱۔ ظفر علی قریشی ۴۸

۵۲۔ ابوالحسن علی ندوی، ص ۲۵۸

۵۳۔ ظفر علی قریشی، ازواج مطہرات اور مستشرقین لاہور 1996، ص ۵۰

۵۴۔ ابوالحسن علی ندوی ص ۲۶۰

۵۵۔ افغانی، شمس الحق، علوم القرآن۔ ص ۱۰۱

56- Zafar Ali Qureshi, p, 251

57- Muhammad Imran, Distortions about Islam in the West, p. 134

۵۸۔ ابوالحسن علی ندوی ۲۴۵۔۲۵۴

۵۹۔ ایضاً، ص ۲۶۸

۶۰۔ حامدی، خلیل احمد، نظام اسلام، مشاہیر کی نظر میں، ادارہ اسلامیات لاہور، 1980، ص ۱۱۳

۶۱۔ ابوالحسن علی ندوی ص ۹۹

۶۲۔ ایضا ص ۳۷

۶۳۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی ص ۴۳

۶۴۔ ابوالحسن علی ندوی ص ۲۶۰

۶۵۔ ایضا ص ۲۶۱

۶۶۔ ڈاکٹر رفیع الدین ص ۴۳

67- Mariam Jamila p. 60-65